علامہ اقبال،شخصیت اور احوال وآثار

علامہ اقبال ۹ رنومبر ۱۸۷۷ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے ۔ان کا تعلق کشمیری برہمنوں کے ایک گوت 'سپرو' سے تھا ۔ان کے والد شیخ نور محمد ایک پرہیز گار اور عبادت گزار انسان تھے ۔اقبال کی والدہ امام بی بی بھی ایک نیک سیرت خاتون تھیں ۔اقبال کی ابتدائی تعلیم سیالکوٹ میں ہی ہوئی ۔انہوں نے مشن ہائی اسکول سے میٹرک اور مرے کالج سیالکوٹ سے ایف اے کا امتحان پاس کیا۔اس کے بعد اعلی تعلیم کے لئے وہ لاہور چلے گئے ،جہاں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی ،اے اور ایم اے کے امتحانات پاس کئے ۔یہاں انہیں پروفیسر آرنلڈ جیسے شفیق استاد ملے ۔اقبال کو عربی و فارسی سے طبعی مناسبت اپنے اجداد سے ورثے میں ملی تھی ،اس پر میر حسن جیسے فاضل استاد کی رہنمائی نے مزید نکھار پیدا کیا ۔یہاں سے فراغت کے بعد انہوں نے کچھ عرصہ اورینٹل کالج لاہور میں فلسفہ اور تاریخ کے مضامین پڑھایا ۔اس کے علاوہ گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ اور انگریزی کی تعلیم بھی دیتے رہے ۔۱۹۰۵ء میں علامہ اقبال اعلی تعلیم کے حصول کے لئے یورپ روانہ ہو گئے اور وہاں کیمبرج یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا اور پروفیسر براؤن جیسے فاضل اساتذہ سے رہنمائی حاصل کی ۔بعد میں وہ جرمنی کے لئے روانہ ہو گئے ،جہاں میونخ یونیورسٹی سے انہوں نے فلسفہ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ۔اس کے بعد انہوں بار ایٹ لا کیا اور کچھ عرصہ تک لندن یونیورسٹی میں پروفیسر آرنلڈ کے قائم مقام کی حیثیت سے عربی کے پروفیسر کی حیثیت سے تدریسی فرائض انجام دیئے ۔۱۹۱۰ء میں اقبال یورپ سے وطن واپس آئے اور کچھ عرصہ گورنمنٹ کالج میں پڑھانے کے بعد وکالت شروع کردی ۔۱۹۲۲ء میں حکومت نے ان کی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں انہیں 'سر' کے خطاب سے نوازا ۔

اردو کی فکری شاعری کی تاریخ میں اقبال کو ایک خاص مقام حاصل ہے ۔وہ نہ صرف اپنے عہد کے سب سے بڑے شاعر ہیں بلکہ عصر نو کے معمار بھی ہیں ۔بانگ درا، بال جبریل،ضرب کلیم،ارمغان

حجاز کا نصف حصہ اردو جبکہ اسرار و رموز، پیام مشرق، زبور عجم، جاوید نامہ، پس چہ باید کرد اور ارمغان حجاز کا نصف حصہ فارسی شعری مجموعے ہیں۔ ۲۱/اپریل ۱۹۳۸ء میں ایک طویل علالت کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کا مزار لاہور میں ہے۔

شاعری یا اصناف شاعری کے لحاظ سے اقبال کا کلام غزل، مثنوی، مرثیہ، منظر فطرت، رباعیات، ظریفانہ و طنزیہ اور قومی و وطنی نظموں پر مشتمل ہے۔ فطری طور پر انسان کے خیالات اور میلانات میں وقت اور حالات کے ساتھ ساتھ تبدیلی رونما ہوتی ہے اور اس میں بتدریج پختگی آتی ہے۔ چنانچہ اس لحاظ سے اقبال کی شاعری کو چار ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا دور وہ ہے جب ان کا کلام رسالہ 'مخزن' میں شائع ہوا کرتا تھا اور انجمن حمایت اسلام کے جلسوں میں وہ اپنے قومی مسدس پڑھا کرتے تھے۔ اس وقت وہ غزلیں بھی کہتے تھے اور نظمیں بھی۔ اقبال سے پہلے کی غزل میں ہم کو اخلاقی مواعظ تو کہیں کہیں نظر آ جاتے ہیں لیکن اجتماعی اور سیاسی اشارے بالکل نہیں تھے۔ اس کی ابتدا اقبال نے کی۔

اقبال کے پہلے دور کی شاعری درحقیقت محاکاتی اور نقاشانہ شاعری تھی جو بعد میں نمایاں تر ہو کر سامنے آئی۔ ان کی شاعری کا پہلا دور ترانہ اور شکوہ پر ختم ہوتا ہے۔ ترانہ تو خیر وطنی حیثیت سے نہیں بلکہ قومی حیثیت سے بھی ایک مکمل چیز تھا۔ لیکن شکوہ صرف جواب شکوہ لکھنے کے لئے لکھا گیا تھا، جہاں سے اقبال کی شاعری کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ جب انہوں نے پہلی بار خودی کا نظریہ پیش کیا اور اسے زبردست مقبولیت حاصل ہوئی۔ حالانکہ یہ نظریہ اردو شاعری میں پہلی بار پیش نہیں کیا گیا تھا، لیکن اقبال نے اسے ایک ایسے زمانے میں پیش کیا جب ملک کی غلامی اپنے انتہائی دور سے گزر رہی تھی اور انداز ایسا اختیار کیا کہ جس میں ادب، تصوف اور فلسفہ سب ملے جلے نظر آتے تھے۔ اسی لئے وہ ایک نئی چیز معلوم ہوئی اور اسے ہر جگہ غور سے سنا گیا۔ ۱۹۰۵ء میں جب وہ حصول تعلیم کے سلسلے میں ولایت گئے، ان کی شاعری کا دوسرا دور شروع ہوا جو ۱۹۰۸ء تک قائم رہا۔ اس دوران میں ان کی شاعری میں فطری رنگ اور

بھی نکھر آیا۔ یورپ کے حسین مناظر نے ان کے دل پر بہت اثر کیا۔ اس دور کی اکثر نظمیں انہی تاثرات کا نتیجہ ہیں۔ مثلاً حقیقت حسن، حسن و عشق، چاند اور تارے، انسان، ایک شام اور تنہائی وغیرہ فنی اعتبار سے لاجواب نظمیں ہیں۔

اقبال کی شاعری کے تیسرے دور میں مذہبی اور سیاسی افکار نمایاں نظر آتے ہیں۔ انہوں نے اپنے ذہن میں انسان کا بلند تصور پیش کیا اور اس کا نام

انہوں نے مرد مومن رکھا۔ ان کی شاعری کا تیسرا دور ان کی زندگی کے آخری سولہ، سترہ برسوں پر محیط ہے جس میں انہوں نے ایک ملی رہنما کا فرض ادا کرتے ہوئے مسلمانوں کو اپنی ہستی پہچاننے کی ترغیب دی اور اتحاد ملت کا درس دیا۔ اقبال نے اپنے کلام میں ایک ایک کر کے ان مشترک تہذیبی مظاہر اور مشترکہ تاریخی و ثقافتی اقدار کا ذکر کیا جو بحیثیت مسلمان ہمیں ورثے میں ملے تھے اور جنہوں نے تاریخ کے ایک دور میں ہماری قوم کو قعر مذلت سے نکال کر اوج ثریا پر پہنچایا تھا۔ یہ اسلامی نظریہ حیات تھا جس کے اقبال ساری زندگی نقیب رہے۔ دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی تو اس کا اثر مسلمانوں پر بھی پڑا اور قسطنطنیہ مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا اور خلافت برائے نام رہ گئی۔ مگر بعد میں جب مصطفی کمال نے دوبارہ اس پر قبضہ کیا تو اقبال کو بہت خوشی ہوئی اور انہوں نے نظم ’طلوع اسلام‘ لکھی۔ یہ بانگ درا کی آخری نظم ہے اور اسی پر اقبال کی شاعری کا تیسرا دور ختم ہوتا ہے۔

اس کے بعد علامہ کا چوتھا اور آخری دور شروع ہوتا ہے۔ بانگ درا کے بعد انہوں نے جو کچھ کہا، وہ اس دور میں شامل ہے۔ اس دور میں خاص طور پر علامہ اقبال فلسفہ خودی سے سرشار نظر آتے ہیں۔ اور بال جبریل میں، جو اسی دور کا مجموعہ ہے، فلسفہ خودی کا بیان غالب نظر آتا ہے۔ ضرب کلیم بھی اسی دور کی یادگار ہے۔ جو ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا۔ اس کی نظموں بھی بلا کی روانی اور شگفتگی ہے۔ ضرب کلیم کے بعد ارمغان حجاز ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا جو زیادہ تر فارسی میں ہے۔ آخر میں اردو کلام ہے۔ یہ علامہ کا آخری

زمانہ تھا جب وہ علالت اور پریشان حالی کے دور سے گزر رہے تھے۔ اسی لئے ارمغان حجاز میں جوش کے ساتھ سوز و گداز بھی پایا جاتا ہے۔ تاہم جوش بیان میں یہ نظمیں زبور عجم اور بال جبریل سے کم رتبہ نہیں ہیں۔ یہاں پہنچ کر علامہ اقبال کا فکری نظام گویا اپنی تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔

☆☆☆